

مفضل الأعمال

یعنی

اعمال کی ایک دوسرے پر فضیلت

ازافادات

حکیم الامت محمد بن عبد اللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد تقانہ بھون میں دو گھنٹہ
تک بیٹھ کر یہ دغظ ارشاد فرمایا۔ مولوی سعید احمد صاحب
مرحوم نے اسے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۸۰۰ تھی

ناشر

جولائی ۱۹۹۳ء

صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم اسلامیہ لاہور
کامران بلاک اقبال ٹاؤن

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ
نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا ضَلٰلَ
لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ
لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَوَلَدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَجَلْتُمْ سَفَايَةً الْحَاجَّ وَبِمَارَةِ الْمُسْجِدِ الْمُتَوَّاهِ كَمَنْ اَمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ
خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے
والوں کو ایسے لوگوں کے برابر ٹھہرا دیا جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت پر اور خدا کے
راستہ پر جہاد بھی کیا۔ خدا کے نزدیک وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ
ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتے۔

۱۹ سورۃ التوبہ آیت

تمہید

میں آج ایک ضروری مسئلہ بیان کرتا ہوں جس کی طرف اس کے قبل کبھی التفات نہ ہوا تھا اور غالباً اور لوگوں کے خیال میں بھی یہ بات کم آئی ہوگی۔ لیکن مسئلہ نہایت ضروری اور منصوص ہے۔ اور چونکہ مسئلہ مختصر ہے لہذا اس وقت کا بیان بھی مختصر ہی ہوگا اور آج اس کے بیان کرنے کی ضرورت علاوہ مسئلہ کے ضروری الاظہار ہونے کے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے جمعہ کو جو مضمون بیان کیا گیا تھا اس سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور اس مسئلہ کے ذہن میں آجانے کے بعد وہ شبہ مندرجہ ہو جائے گا تو اس حیثیت سے یہ مضمون سابق مضمون سے بھی متربط ہوگا۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ترجمہ کرنے سے پیشتر مستقلاً اس مسئلہ کو بیان کر دوں تاکہ تفصیل ذہن نشین کرنے کے بعد آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

تفاوتِ حسنات

یہ بات تو ہر خواص و عوام کو معلوم ہے کہ جس قدر بھی نیک کام ہیں سب کے سب ایک درجہ اور ایک پایہ کے نہیں۔ بلکہ متفاوت ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد بنوانا، حج کرنا، مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے نیک کام ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو ثواب نماز پڑھنے میں ملتا ہے اسی قدر مسجد بنوانے میں بھی ملتا ہے۔ یا حج کا ثواب ایک پیسہ خیرات کرنے میں بھی اس کے برابر ہے علیٰ ہذا گناہ بھی سب برابر نہیں

چوری، دہکتی، زنا، قتل، شراب خوری کبائر ہیں اور آپس میں متفاوت اسی طرح بہت سے صغائر ہیں لیکن کوئی بہت ہلکا ہے کوئی اس سے زائد۔ نیز یہ تفاوت حسنات میں منصوص ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَتِسْعُونَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَآَدْنُهَا اَمَّا طَلْعَةُ الدُّدَى وَالتَّحِيَّاتُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

(ایمان کے کچھ اوپر تر درجے ہیں سب سے افضل کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے کم مرتبہ مؤذی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم و حیا بھی ایمان ہی کا ایک درجہ ہے) یعنی ایمان کے متعلق بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے زیادہ کامل تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے ادنیٰ درجے کا کام یہ ہے کہ رستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دے مثلاً رستے میں کانٹے پڑے ہوں یا کوئی بڑی لکڑی پڑی ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ٹرک پر ایسی چیزیں ڈال دیتے ہیں یا پھوڑ دیتے ہیں جن سے رستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ پہلی یا پچھلے رستے میں کھڑے کر دیتے ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نابینا شخص وہاں سے گزرتا ہے اور اس سے ٹکرا جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی کیلک کمارے پر ہو تو مضائقہ نہیں لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے ان باتوں کے متعلق کوئی قانون مقرر ہی نہیں کیا۔ صاحبو ہر ہر کام کے لئے شریعت میں ایک حکم موجود ہے۔ دیکھو جب امانۃ الاذی اللہ کو شعبۂ ایمان قرار دیا ہے تو اس کے خلاف گناہ ہو گا یا نہیں یہ مسئلہ اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قریب بصراحت ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت بتلادیا کہ حسنات یا ہم متفاضل

۱۔ تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

۲۔ نکلنا ہے۔

ہیں ایمان اعلیٰ ہے جیسا اس سے کم ہے اماطۃ الاذیٰ اس سے کم ہے۔ بلکہ اگر عادات
ناسخ میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اور لوگ بھی عملاً اعمال کو متفاوت مان رہے ہیں
دیکھئے اگر کسی شخص کے پاس دس روپیہ ہوں اور وہ ان کو کسی مصرف خیر میں لگانا چاہتا ہے
تو اول اس کی تحقیق کرتا ہے کہ سب مصارف میں بہتر مصرف کون ہے اور اگر خود معلوم
نہیں ہوتا تو علماء سے رجوع کرتا اور ان کے بتلائے ہوئے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر
وہ مدرسہ میں خرچ کرنے کو افضل بتاتے ہیں تو مدرسہ میں خرچ کرتا ہے مسجد میں خرچ کو
افضل بتاتے ہیں تو مسجد میں دیتا ہے پس اگر اس مجلس کے معتقد تفاضل نہ مانا جائے
تو اس کی چھان بین کیوں ہے پس ہر طرح سے تفاضل میں الحسنات متیقن ہے دلیل
سے بھی تسلیم ناسخ ہے یہ تو اجمالی مسئلہ ہے اور یہ بالکل مطابق واقع کے ہے۔

تعیین افضل الاعمال

لیکن اس کی تفصیل میں اکثر نے غلطی کی ہے عوام نے بھی اور علماء نے بھی۔
اس لئے اس کے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے وہ غلطی یہ ہے کہ لوگ افضل کی تعیین
اپنی رائے سے کرتے ہیں یا اگر بعض لوگ کسی دلیل شرعی سے تعیین کرتے ہیں تو وہ لوگ
اس دلیل شرعی میں غور نہیں کرتے کہ یہ دلیل اس دعویٰ کے لئے کافی ہوگی یا نہیں اور
انطباق ہوا یا نہیں ہوا، چنانچہ عوام الناس جب تفاضل کے تحقیق کرتے ہیں اول تو
اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور تفاضل اسکا معیار بھی ایک مقرر کر لیا ہے کیونکہ ہر تفاضل
کے لئے کوئی نہ کوئی معیار تو ضرور ہونا چاہیے۔ ایک چاندی کو دوسری چاندی پر یا ایک

۱۔ لوگوں کی عادت ۲۔ جستجو کرنے والے ۳۔ یقینی
۴۔ لوگوں کے ماننے سے ۵۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا

کپڑے کو دوسرے کپڑے پر اگر ترجیح دیں تو اس ترجیح کا کوئی معیار ضرور ہوگا۔

پس اسی بناء پر عوام نے بھی اس تفاضل کے لئے ایک معیار مقرر کر لیا ہے کہ جس عمل کو وہ صورت عبادت سے زیادہ تلبیس لے دیکھتے ہیں اس کو افضل سمجھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جس طرح وہ واقع میں عبادت ہیں اسی طرح سورۃ بھی وہ عبادت ہیں یا عبادت سے ان کو تلبیس ہے مثلاً نماز پڑھنا کہ یہ حقیقتاً اور صورتاً دونوں طرح عبادت ہے۔ یا مسجد تیار کرنا کہ اس کو صورت عبادت سے تلبیس ہے۔ دوسرے وہ اعمال ہیں کہ واقع میں وہ عبادت ہیں لیکن ان کی ظاہری صورت عبادت نہیں معلوم ہوتی نہ ان کو کسی عبادت سے ایسا ظاہری تلبیس ہے کہ ہر شخص کی نظر میں آجائے جیسے کسی طالب علم کی مدد کرنا کھانے یا کپڑے سے (کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے کسی طالب علم کا کھانا مقرر کرنا ہے ہرگز نہیں) کیونکہ طالب علم کا کھانا مقرر کرنا جو عبادت ہے تو اس لئے کہ یہ خدمت دین ہے اور اس کا خدمت دین ہونا اس وقت سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب طالب علم فارغ ہو کر خدمت دین میں مصروف ہو تو یہ دونوں قسم کے اعمال عبادت ہیں لیکن دونوں میں تفاوت یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر صورتاً بھی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ عبادت کو تلبیس ظاہر ہے یعنی اس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور تلبیس بھی بلا واسطہ ہے اور اسی وجہ سے یہ تلبیس بہت ظاہر ہے۔ اور عبادت بھی ایسی کہ وہ بصورت ہائے عبادت ہے یعنی اس کا عبادت ہونا نظری نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ نماز پڑھنا عبادت ہے لہذا اس کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بناء مسجد یا اس میں تل بتی دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

برخلاف تقرر طعام طالب علم کے کہ جس سے تلبیس ہے اول تو وہ ایسی ظاہر

لے ملا ہوا

لے اپنی صورت کے اعتبار سے

عبادت نہیں کہ عوام بھی فوراً سمجھ لیں دوسرے اہل علم کو اس عبادت سے تلبیس بھی ہو سنا نظر ہے کیونکہ اہل طلبہ میں علم دین کی مدد ہے اور وہ اتنی ظاہر عبادت نہیں کیونکہ اگر ایک شخص میزان الحرف یا درس کی کوئی کتاب بالخصوص فلسفہ یا ہیئت پڑھتا ہے تو کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ عبادت کر رہا ہے اس لئے کہ اس کا عبادت ہونا مکمل ہے اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی اگر دس برس تک یہ شخص مثلاً اسی میں لگا رہے اور فراغت حاصل کرے تو وہ اس قابل ہوگا کہ دین کی خدمت کر سکے اور خدمت دین پر افضل العبادات ہے۔

مرتبہ خدمت دین

اسی خدمت دین کی بدولت شیخین رضی اللہ عنہما کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل کہا جاتا ہے ورنہ عبادت کی کثرت اور قلت کسی کی مدد نہیں اور اگر کسی نے ظاہری فضائل کی چھان بین کی بھی ہے تو اس کو حضرت علیؑ کا کثیر الفضائل ہونا معلوم ہوا ہے محدثین نے اس کی تشریح کی ہے اب یا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے فضائل اس قدر مدون کم ہوئے ہیں یا فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے فضائل میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زائد ہوں لیکن پھر بھی محققین اور اہل نظر یہی کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما جمع صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

اور اس نظر کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالم شہادت اور برزخ دونوں سے ہوتی ہے۔ سوا حدیث تو سب کے پیش نظر ہیں اور نہ ہوں تو وہ

۱۰ کئی واسطوں سے

۱۱ کھانا کھانا
۱۲ مستقبل

مدون ہیں ہر ایک دیکھ سکتا ہے ہاں برزخی اقوال سے ایک قول نقل کرتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کا حکم فرمایا اور یہ تینوں باتیں میری مرضی کے خلاف ہیں مگر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اپنی مرضی کو چھوڑ دیا۔

ایک تو یہ کہ میرا رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیلؑ کی طرف تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم سمجھو۔ دوسرے میرا میلان ترک تقلید کی جانب تھا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ ہو۔

تیسرے میں ترک اسباب کو پسند کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک کر تشبہتؑ بالاشباب کا حکم فرمایا۔

ان تینوں حکموں میں بہت سے لازم ہیں لیکن یہ وقت ان کی تفصیل کا نہیں لہذا اس کو یہیں چھوڑا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عالم برزخ میں بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؑ سے افضل سمجھو غرض حدیث سے، کشف سے، محققین کی رائے سے ہر طرح شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس مسئلے کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو وہ ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرنے وہ انشاء اللہ تعالیٰ خاص اسی متن کی پوری طرح شرح ہوگی۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت بہت زیادہ ہوئی پس علم کی افضلیت کی تو یہ حالت لیکن باوجود افضل العبادات ہونے کے اس کی صورت عبادت کی نہیں ہے۔

اعانتِ طلباء

پھر اطعام کو جو اس سے تلبس ہے وہ تلبس بلا واسطہ نہیں بلکہ بوساطہ ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کس قدر ثواب ہے مثلاً آپ نے ایک طالب علم کو کھانا کھلایا جس نے بدل مایہ تجلل کا کام دیا اور اس نے مطالعہ و حفظ سبق کی قوت پیدا کی اور اس قوت سے اس نے کام لے کر ایک سبق یاد کیا اور اسی طرح مسلسل سات آٹھ برس تک یہ کرتا رہا اور اس مدت میں فراغ حاصل کر کے اس قابل ہو گیا کہ دین کی خدمت کرے اور اس نے دین کی خدمت شروع کر دی پس یہ خدمت دین اسی مدد اور اطعام کی بدولت ہے جو آٹھ برس تک اس کو پہنچتی رہی اور اس خدمت کا ثواب ان سب لوگوں کو ملے گا جو اس کی امداد میں شریک رہے ہیں لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے اور

بلا ضرورت تعمیر مسجد

اس لئے ان کے پاس جب کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور ان کو خدا کی راہ میں دینے کا کچھ خیال پیدا ہوتا ہے تو مسجد بنواتے ہیں اکثر ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس وافر روپیہ ہے اور وارث ایک بھی نہیں یا وارث بھی ہیں مگر ان کو اس کی دنیا کی احتیاج نہیں تو اول تدبیر ان کی سمجھ میں یہی آتی ہے کہ اپنے گھر کی مسجد بنادیں آخر مسجد بنا کر اپنی زندگی بھر اس کے حجرے میں رہتے ہیں اور چھوڑ کر مر جاتے ہیں ایسے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس جدید مسجد میں جو نمازی آئیں گے وہ دوسری قدیم مسجد کے جانے والے

لے کئی واسطوں سے

لے کھانا کھلانے

اور وہاں کی جماعت کے ہوں گے اور جب قدیم مسجد کے لوگ یہاں آنے لگیں گے تو اس مسجد کی جماعت میں قلت ہو جائے گی۔ ہم نے اسی قبضے میں دیکھا ہے کہ چار پارچے مسجد میں بالکل ہی قریب قریب بنی ہیں ایسی کہ اگر ایک ہی وقت میں سب جگہ نماز شروع ہو تو ایک مسجد کا امام دوسری مسجد کے امام کی قرأت پوری طرح سن سکتا ہے بلکہ عجیب نہیں کہ سب آوازیں مختلط ہونے کے سبب کسی کو بھول بھی ہو جائے۔ اس میں بعض لوگوں کی نیت تو تفاخر کی ہوتی ہے ایسے لوگ تو کسی شمار ہی میں نہیں لیکن بعض مخلص بھی ہوتے ہیں اگرچہ وہ ثواب میں مفلس ہی ہوتے ہیں (لطیفہ عوام الناس ان اطراف میں مفلس کو مخلص کہتے ہیں۔ میرے پاس ایک دیہاتی دوست آئے میں نے تذکرے میں کہا کہ تم بہت مخلص ہو کہنے لگے نہیں تمہاری دعا سے میرے پاس سب کچھ ہے میں مخلص نہیں یعنی مفلس نہیں) غرض ایسے لوگوں کو باوجود اخلاص نیت کے کچھ ثواب نہیں ملتا بلکہ الٹا ضرر ہوتا ہے۔

حقیقت مسجدِ ضرار

لیکن ایسی مسجد کو مسجدِ ضرار نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان لوگوں کی نیت خراب نہیں ہوتی آج کل اکثر مستفتی سچے چالاکی کرتے ہیں کہ صورت سوال ایسی بناتے ہیں جس میں عجیب کو خواہ مخواہ مسجدِ ضرار ہی کہنا پڑے اور اکثر عجیب بھی بالکل سائل کے تابع ہو کر جواب دے دیتے ہیں۔ صاحب کو کسی مسجد کا ضرر ہونا آسان نہیں کیونکہ مسجدِ ضرار ہونے کیلئے نیت کا خراب ہونا شرط ہے پس ممکن ہے کہ بانی کی نیت اچھی ہو اگرچہ اس کو غلطی ہو گئی

۱۰ نقصان

۱۱ کمی

۱۲ فتویٰ پوچھنے والے

ہو اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ بانی کی نیت خراب ہی تھی تو اس مستفیج کو اس کا علم کیونکر ہو سکتا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ ایسی مسجد بنانی جائز ہے مقصود یہ ہے کہ سائل کو اصل نیت کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے کہ اس پر مسجد ضرار کا اطلاق کر دیا جائے۔ اس کے سوا ممنوعات بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے تو زیادہ سے زیادہ مسجد ضرار کی مثل ہو جائے گی لیکن مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی مسلمان کافروں کی سی حرکت کرنے لگے تو اس کو متشبه بالکفار کہیں گے لیکن کافر نہیں کہہ سکتے الحاصل ایسی مسجد بنانا پسندیدہ ہے تو عوام کو ایک تو اس کا بہت شوق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی صورت عبادت کی ہے۔

افضلیتِ عمل کا غلط معیار

اور اسی بناء پر قرآن کے وقف کرنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں ہدایہ وقف کرنے کو کوئی ثواب نہیں سمجھتا اگرچہ لینے والا قرآن کو پڑھے بھی نہ کیونکہ قرآن اس قدر طبع ہو گئے ہیں کہ کوئی ان کو پڑھتا بھی نہیں اسی طرح جب کوئی مرتا ہے تو اس کے ترکہ میں سے قرآن وقف کرتے ہیں اگرچہ وہ اتنا غلط ہو کہ کوئی پڑھ بھی نہ سکے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بہت سے قرآن مسجد میں لایا کہ میں ان کو وقف کرتا ہوں دیکھا گیا کہ سب غلط تھے آخر میں نے ان کو دفن کرایا تو ایسے قرآن وقف کرنے سے کیا نتیجہ ہاں کوئی ادراک ہی کے وقف کرنے میں وقف قرآن کا ثواب سمجھے تو دوسری بات ہے۔ بس ایک معیار تو عوام کے ذہن میں یہ ہے۔

دوسرا معیار یہ ہے کہ جس کام کا نفع فوراً ظاہر ہو اس میں زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔

اور جس کا نفع بدیر ہو اس میں اتنا ثواب نہیں سمجھتے۔ اسی بناء پر پانی پلانے کا ثواب زیادہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کا ارادہ کنواں بنوانے کا ہو اور اس سے کہا جائے کہ مسجد کا ایک حجرہ شکستہ ہو رہا ہے اس کو بنوادو تو وہ کنویں کو ترجیح دے گا۔

تیسرا معیار عوام کے نزدیک یہ ہے کہ جس چیز کا نفع عام ہو اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے چنانچہ کنواں بنوانا اس کی بھی مثال ہے۔ یہ نمونہ کے طور پر عوام الناس کے تجویز کردہ معیاروں کا ذکر تھا جو ان کے حالات میں غور کرنے سے سمجھ میں آئے کہ نفع عاجل ہو اور نفع عام ہو اور اس کام کی صورت عبادت کی ہو اور عوام الناس اس طرح اپنے لئے ان تین معیاروں سے کاموں کی تجویز کرتے ہیں۔

اسی طرح بزرگوں میں بھی موازنہ انہی تین معیاروں سے کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص تمام رات جاگتا ہے کسی سے بات بھی بہت کم کرتا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو کہ فرائض واجبات اور سنن ادا کرتا ہے رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ جاگ لیتا ہے، حفاظت دماغ کی تدبیر بھی کرتا ہے نصیحت و پند بھی کرتا ہے فلق اللہ کی دلجوئی کے لئے لوگوں سے ملتا بھی ہے بچوں سے مزاح بھی کر لیتا ہے تو عوام الناس اس کے مقابلہ میں پہلے شخص کو زیادہ کامل سمجھیں گے چنانچہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عابد ہے بلکہ عابد کی جگہ معبد کہتے ہیں خدا جانے یہ لغت کہاں سے ایجاد کیا اور دوسرے شخص کو چونکہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ عبادت نہیں کرتا اس لئے اس کو زیادہ کامل نہیں سمجھتے حالانکہ ممکن ہے کہ عابد واقع میں یہی شخص ہو۔ کیونکہ عبادت عبد بننے کو کہتے ہیں اور عبدیت بجا آوری احکام کا نام ہے جس وقت بھی جو کلمہ ہو پس اختلاط خلق اغراض صالح سے نیز عبادت میں داخل ہے۔

۱۰ نیک غرض سے لوگوں سے ملنا

تحقیق عبدیت

اس کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق بیان کرتا ہوں
فرمایا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ
(میں نے جنوں اور انسانوں کو مخلوق عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) تو باوجود اس کے
کہ ملائکہ اور حیوانات عبادات سے نباتات جو ہر واعراض سب کے سب عبادت
میں مصروف ہیں جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارے میں ارشاد
ہے۔ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۚ (پاکی بیان کرتے ہیں رات اور
دن اور اس سے نہیں تھکتے) حیوانات وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

إِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۚ (کوئی بھی چیز ایسی
نہیں ہے کہ اللہ کی حمد و تعریف نہ کرتی ہو لیکن اس کی تسبیح کو تم لوگ نہیں سمجھتے)۔
ان کے علاوہ اور متعدد آیات سے ہر ایک چیز کا عبادت میں مشغول ہونا معلوم ہوتا
ہے پھر انسان اور جن کی تخصیص عبدیت میں کیوں فرمائی گئی۔ فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ
ایک تو نوکر ہوتا ہے، ایک غلام ہوتا ہے۔ نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی
ہیں یعنی اگرچہ کتنے بھی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں لیکن کوئی کام ایسا ضرور
ہوتا ہے کہ جس میں نوکر غدر کر دے اور کہہ دے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں
مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو بہتر تمہارے کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز
منظور نہ کرے گا اور غدر کر دے گا۔ علیٰ ہذا اور بہت سے کام ایسے نکلیں گے جن میں

۱۰ سورۃ انبیاء آیت ۲۰
۱۱ بھنگی

۱۲ سورۃ الذاریات آیت ۵۶
۱۳ سورۃ اسریٰ آیت ۴۴

نوکر کی جانب سے عذر ہوگا بلکہ اولاد بھی جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک خاندانی سید اور معزز دوست نے ایک ایسے موقع پر کہ سقوں نے پانی بھرنا چھوڑ دیا تھا اپنے لڑکے کو کہا کہ بھائی سقوں نے تو پانی بھرتے سے جواب دے دیا ہے اہل محلہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے تم ہی لوگوں کے ہاں پانی بھر آیا کرو وہ لڑکا بہت خفا ہوا برخلاف غلام کے کہ اس کا کوئی خاص مقرر کام نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا اور دوسرے وقت آقا کے بخش کپڑوں کو صاف کرتا ہے ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کا کام کرتا ہے پس غلام نوکر بھی ہے مہتر بھی ہے سفیر بھی ہے خلیفہ بھی ہے پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس و سجدہ وغیرہ الفاظ سے فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو لفظ عبدیت فرمایا اور جب انسان اور جن عبد اور غلام ہیں تو ان کی کوئی خاص خدمت نہ ہوگی بلکہ ایک وقت نماز روزہ کرنا عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور فضائے حاجت کرنا لوگوں سے فنا وغیرہ وغیرہ کام عبادت ہوں گے۔

چنانچہ حدیث میں ہے **نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ حَاقًا** اَوْ كَمَا كَانَ (قضاے حاجت کی شدت کے وقت نماز ادا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا) کہ جس وقت پیشاب یا خانہ کا دباؤ ہو اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور رفع فضلہ واجب ہے۔ دیکھئے ایک وقت انسان کے لئے ایسا نکلا کہ اس کو مسجد جانا حرام اور بیت الخلا جانا واجب ہوا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اول وقت نماز پڑھنا چاہے اور اس کو شدت سے بھوک لگی ہو تو شریعت حکم کرے گی کہ نماز کو موخر کر دے اور کھانا کھاؤ۔ اسی راز کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ الفاظ میں فرماتے ہیں ان یكون اکل کله صلوٰۃ خیر من ان ینکون صلوٰۃ کله کلا (کھانا کھاتے رہنا اور خیال نماز کی طرف نہیں بہتر ہے اس بات سے کہ نماز پڑھتا رہے اور نیت کھانے کی طرف رہے) کیونکہ جب کھانا کھانے میں نماز کا برابر خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظار صلوٰۃ میں گزرا اور انتظار صلوٰۃ میں صلوٰۃ کا ثواب ملتا ہے برخلاف اس کے اگر بھوک میں نماز شروع کر دی جائے تو جو ارجح ہے تو نماز میں مشغول ہوں گے اور دل کھانے میں پڑا ہوگا تو نماز کھانے کی نذر ہوگی اور یہی فہم ہے جس کی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔ آج یہ فہم مفقود ہے۔ ہم لوگ کتابیں ان سے زیادہ پڑھتے ہیں مگر وہ بات حاصل نہیں۔

ع نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
(ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہے ضروری نہیں کہ سکندری فن سے واقف ہو)
اور اسی راز کی بنا پر ہمارے حضرت حاجی انداد اللہ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ مکرمہ میں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں رہے اور دل ہندوستان میں۔ غرض انسان کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں کیونکہ اس کی شان عبد کی ہے اور جب یہ ہے تو ایک تو وہ شخص ہے کہ نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے باتوں میں مشغول ہے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ رہا ہے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے تو

بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت عبادت

لیکن غور کریں تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے مثلاً مسافر کے انبساط خاطر کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کوئی دوسری ایسی نیت ہے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں، کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے تو ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیئے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ ہاں آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے، مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔

دریادہ حال پختہ بیچ خسام پس سخن کوتاہ باید والسلام
تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا لہذا بات کو
طول نہ دے۔ (ڈرول کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو

ان خوش کرنے کے لئے

تھامے رکھ، اسی میں بھلائی و خیریت ہے۔
 عوام الناس کی حالت اور مذاق پر مجھے ایک حکایت یاد آتی ہے حضرت
 مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ بہا اللہ احمد
 رئیس دیوبند کا نکاح ان کے والد نے کیا تو چاروں کو بھی زردہ پلاؤ فری و غیرہ
 کھلائی اور کھانے تو انہوں نے جس طرح ہوا کھائے مگر جب فری سامنے آئی تو
 اس کو چک کر ان میں سے ایک شخص کیا کہتا ہے کہ یہ تھوک سا کیسے ہے یعنی کیا
 ہے واقعی جس نے ہمیشہ گڑ اور شیرا کھایا ہو وہ کیا جانے کہ قند میں کیا مزہ ہے۔
 اور فری بنی کیسی ہوتی ہے اسی طرح معافی کے عوام الناس کو خبر نہیں ہوتی۔

ولایت و نیرنگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت
 کے تذکروں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں
 کے تذکروں کو سن کر آپ بسم فرماتے تھے اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ
 ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ
 تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ
 کم و بیش تبسم کی حالت ہو جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہے
 اور ایک ترجمہ شامل تریندی سے ملائے شامل میں ہے

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نکر مند رہتے اور آپ
 پر غم یکے بعد دیگرے آتے رہتے) اور وجہ اس کی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں صر
 کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہوا اور
 صور پھونک دوں گویا یہ حالت تھی کہ

مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جبریں فریاد میداد کہ بر بنید مجملہا
(مجھے محبوب کے گھر پہنچ کر بھی امن و عیش نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ گھنٹہ ہر وقت
کوچ کی خبر دے رہا ہے)

ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں سوائے والدین کو
بے فکری کہاں البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کبھار ہنس دیتے ہیں اس کے مناسب
حکایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰ کی ملاقات ہوئی، حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کثیر القسم تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکاء تھے۔ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ (علیہ السلام) کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے
بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ نے
فرمایا کہ اے عیسیٰ! کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت
ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔ آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے
اب رہتے ہو لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ و زاری کیا کرو اور اے یحییٰ خلوت
میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو۔
کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم
کو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اس لئے بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم جو کچھ
تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالح خلق کے والبتہ تھے اگر یہ بات

نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا غرض جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم باتوں میں مشغول ہوتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی عاتق کو کیا خبر ہوتی ہوگی۔ اسی لئے کافر کہتے تھے مَا يَهْدِي الرَّسُولَ يَا كُلَّ الظَّالِمِ وَيُمَيِّتُنِي فِي الدُّسُوقِ دَاخِلٌ لَّهُ (یہ کیسا رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے۔) ان کے زعم میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھا۔ اور بازار میں بھی چلتا ہے)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے زابدال حق آگاہ شد
(تمام عالم اسی سبب سے گمراہ ہو گیا کہ بہت کم لوگ خدا کے نیک بندوں سے مطلع ہوتے ہیں)

ہم سری با انبیاء برداشتند اولیاء را، محو خود پنداشتند
(اپنے کو انبیاء کے برابر رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں)۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ماؤ ایشاں بستہ خواہیم و خور
(کہتے ہیں کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان ہم اور وہ دونوں خواب اور کھانے میں فطرۃً مجبور ہیں)

ایں ندانستند ایشاں از عمی درمیاں فرقے بودے منتہا
(یہ ان کو عدم بصیرت کی وجہ سے پہچان ہی نہیں سکتے جبکہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے)

۱۔ سورہ فرقان آیت ۷

ایں خورد گرد پلیدی زو جدا
 وان خورد گرد ہمہ نور خدا
 (یہ جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا
 ہے اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں سب خدا کا نور بنتا ہے)
 کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور
 خدا نکلتا ہے۔

میں جب حضرت حاجی صاحب سے اللہ علیہ سے مشنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر
 میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا ہے کیونکہ
 واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نکلتا ہے جب سبق شروع
 ہوا تو حضرت قبلہؒ نے کیا ثوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے
 مراد اخلاق حسنہ ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق حمیدہ میں
 مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو
 باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی
 انوکھی بات نہ تھی کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔

علامتِ ولایت

آج کل بھی ایسے لوگوں کو جو کھانا چھوڑ دیں بہت بزرگ سمجھا جاتا ہے میں کہتا
 ہوں کہ اگر پانی یا کھانے کے چھوڑنے پر بزرگی کا مدار ہے تو سرسری اور سائنڈا اور کمند
 جو جانور ہیں بہت بزرگ ہیں کیونکہ سرسری پانی بالکل نہیں پیتی اور سائنڈا نہ کھانا کھاتا
 ہے نہ پانی پیتا ہے صرف ہوا اس کی غذا ہے۔

صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے کہ

میانِ عاشق و مشوقِ رُغز نیست کرنا کاتیں را ہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان بعض راز ایسے پنہاں ہوتے ہیں کہ کرانا کاتبین دو فرشتے ہیں جو نیکی اور بدی لکھتے ہیں) کو بھی خبر نہیں ہوتی)

یعنی بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفع فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبیہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح آپس کے برتاؤ و روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں۔ غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے۔ اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس غم میں اس لئے داخل کیا گیا کہ حدیث میں مَا آتَانَا عَلَيْهِ وَآخِذْنَا بِهِ (جس راستے پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے صحابہ ہیں) آیا ہے اور عام ہے عبادت اور عادات دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے تو قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دوئی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔ ایک شیخ سے ان کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس چپاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے تخیڈ اذْمُورِ اَدْسَطْهَا (تمام کاموں میں میاندروی بہتر ہے) اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ اصلی خوراک میری اس سے بہت زیادہ ہے

جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دینی کھایا کرتا تھا۔

تجویز میں احتیاط

تو اس حکایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض آدمیوں کی خوراک ہی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اصلی خوراک کے لحاظ سے وہ بہت کم کھاتے ہیں تو یہ معیار صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ بزرگوں نے قلمۃ الطعام اور قلمۃ المنام کا حکم فرمایا ہے تو سمجھو کہ اول تو ہر ایک کی قلت جلد ہے جیسا حکایت باللا سے معلوم ہوا دوسرے ہر ایک کے لئے قلت کو تجویز بھی نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی بڑے مفسدے کے دفع کرنے کے لئے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سے کسی گناہ کبیرہ سے بچانا منظور ہو۔

چنانچہ ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوا اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پٹری ہوئی تھی اس لئے ہر شب چوری کرنے کا سخت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اس کو دبانے کے لئے وہ یہ کرنا کہ تمام فاکرین کے جوتے اٹھا کر گڑبڑ کر دیتا اس کے جوتے کے ساتھ اس کا اور اس کے جوتے کے ساتھ اس کا غرض کسی ایک کا جوتا بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شپ بیدار رہ کر دیکھا معلوم ہوا کہ یہ نوگزفتار ہیں صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انہوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضور میں بے شک ایسا کرتا ہوں لیکن

۱۔ کم کھانے

۲۔ کم سونے

۳۔ نئے آنے ہوئے

اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کر لی ہے لیکن رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کو میں یوں پورا کرتا ہوں اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراب سے بھر چوری کروں گا۔ غرض میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے توبہ نہیں کی۔ شیخ نے کہا کہ بھائی تجھ کو اس کی اجازت ہے، تم ہیرا پھیری کر لیا کرو۔ ان مراتب کو سمجھنا بڑی بصیرت پر موقوف ہے۔

قطع تعلقات

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترکِ ملازمت اور قطع تعلقات کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اب تو صرف ایک بلا میں گرفتار ہے چھوڑ دے گا تو خدا جانے کیا کچھ کرے گا۔ اور کس قسم کی آفات کا شکار ہو گا تو اتنی بلاؤں سے ایک ہی بلا اچھی ہے۔ اب لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ پیر صاحب لنگوٹ بند ہوا دیں اور بیوی بچوں کو چھڑا دیں ایسے لوگوں کو تنخواہ پیر صاحب تو دینے سے رہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ جب حوائج ضروری پوری نہیں ہو سکتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا تو جھوٹی شہادتیں دینا جھوٹے مقدمے لڑانا، قرض لے کر دبا لینا غرض اسی طرح کے صدمات میں گرفتار ہو جاتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ملازمت ترک کرانے کی کیا ضرورت خدا تعالیٰ کا نام جب دل میں جگہ کرے گا وہ خود ہی چھڑا دے گا۔ کیونکہ ۛ

ۛ غیر اختیاری طور پر

عشق آن شعلہ است کوچوں برفروخت ہرگز معشوق باقی جسد سوخت
 (عشق وہ شعلہ ہے جب بھڑک گیا معشوق کے سوا باقی سب کاسب جلا لیتا ہے)
 تیغ لا در قتل غیر حق برادر در نگر آخر کہ بعد لاجپہ ماند
 (اللاہ کی تلوار غیر حق والوں کے قتل کرنے میں چلتی ہے پھر دیکھو لاکے بعد کیا رہ جاتا ہے)
 ماند الا اللہ رہ باقی جسد رفت مر جہای عشق شرکت سوز رفت
 (صرف الا اللہ رہ گیا اور باقی تمام کا تمام ختم ہو گیا۔ اسے عشق اے سب شرکتوں
 کے جلا دینے والے تجھے شاباش)

مشہور ہے کہ آب آمد و تمیم برخواست۔ تو آب تو آنے دو تمیم خود ہی جاتا رہے گا۔
 یہی راز تھا جس کے لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ چھوڑانے کی کیا ضرورت ہے وقت
 پر خود ہی چھوٹ جائے گا۔ اور یہ حکم ایسے شخص کے لئے تھا جس کے کھلنے پینے
 کی کوئی سبیل نہ ہو کہ اس بلا دفع بلا ہائے بزرگ۔ اور اگر کسی کے پاس کوئی ایسا
 ذریعہ موجود ہو تو اس کو یہی مناسب ہے کہ اس پر قناعت کرے اور یاد خدا میں
 مشغول ہو۔ مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

خوشا روزگارے کہ دارد کے کہ بازار حرص نباشد بے
 (جو کام کسی شخص کو مل گیا ہے وہ اچھا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کی
 حرص و ہوس محدود ہو جائے گی)

بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے مرد کارے بود
 (پھر بقدر ضرورت آسانی ہوگی پھر اگر وہ کام کا آدمی ہے تو بھلا کام بھی
 مل جائے گا)

یعنی اگر ضرورت کے لائق موجود ہو اور اس پر قناعت کر کے کام میں مشغول
 ہو جائے تو یہ بہت اچھا ہے۔

شانِ مشیخت

تو اس فرق کو دریافت کرنا اور لوگوں کے ملالت اور طبائع کا انداز کرنا یہ قابل
ہی کا کام ہے۔ اور یہی شانِ مشیخت ہے ورنہ کسی بزرگ کے ملفوظات یاد کر لینے
یا تصوف کے مسائل ازبر ہونے سے شیخ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں :-
حرف درویشاں بدزد و مردودوں تاکہ پیش جابلان خواند فصول
(درویشوں کا کلام چرتا ہے دنیا دار کمینہ آدنی۔ تاکہ جابلوں کے سامنے جادو جیسا
بیان کر کے انہیں اپنا گرویدہ کرے)
باتوں کے یاد کر لینے سے کچھ نتیجہ نہیں اگر ایک شخص کو بہت سی مٹھائیوں کے
نام یاد ہوں اور نصیب ایک بھی نہ ہو تو اس حفظِ اسماء سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔
لیکن اگر نام ایک کا بھی یاد نہ ہو اور کھانے کو دونوں وقت ملتی ہوں تو سب کچھ حاصل
ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-
میم دواؤ میم دلون تشریف نیست لفظ مؤمن جز پئے تعریف نیست
(لفظ میم اور واؤ اور میم اور نون ان کے اندر خود بزرگی نہیں ہے یعنی لفظ مؤمن
تو صرف پہچان کے لئے ہے)
کہ نام تو صرف پہچان کے لئے ورنہ اس میں کیا رکھا ہے اصل چیز معنی ہے اور
وہ اس سے بفراسخ دور۔ آج یہ حالت ہے کہ دو چار تعویذ گنڈے یاد کر لئے کچھ
جھاڑ پھونک سیکھ لی اور شیخ وقت بن گئے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں :-

لے کئی میل

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تاراه میں نباشی کے راہ بر شوی
(اے بے خبر کو شش کرتا کہ خبر والا ہو تو، جب تک راہ دیکھنے والا نہ ہو تو رہبر
کیسے ہو سکتا ہے)

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے سپر بکوش کہ روزی پدر شوی
(اور حقائق کے مدرسہ میں عشق سکھانے والے استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ
تہ کرتا کہ ایک دن تو بھی استاد کا درجہ پانے کے قابل ہو جائے)
تو پہلے سپر تو بن لیں اس کے بعد پدر بننے کی نوبت آئے گی۔ یہ تو پیروں
کی حالت ہے۔

کمالاتِ باطنی

مریدوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے انتخاب کی معیار عجیب و غریب اقرار
کر رکھی ہے جس میں ذرا ہمو حق پاتے ہیں اس کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ محض
گرمی طبع سے ہونے لگتا ہے۔

ایک شخص حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت
میرا قلب جاری ہو گیا، آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ دل کے دھڑکنے کو قلب کا
جاری ہونا نہیں کہتے۔ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی یاد
دل پر حاضر رہے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلان بزرگ کی بوٹیاں تھرتھکتی ہیں یہ بہت کامل ہیں
اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی ان کی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں۔
یعنی ان میں کمالاتِ باطنی نہیں حالانکہ کمالاتِ باطنی بالکل مخفی ہیں اور ان کو بوٹوں
کے تھرنے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اور وہ کمالات یہ ہیں کہ فن میں ماہر ہو۔ امت کے لئے حکیم ہو شریعت کا پورا پابند ہو یہ باتیں نہ ہوں تو ہزار مجاہدہ، ریاضت ہو کچھ نہیں۔ جنگا کش کہیں گے، فحشی کہیں گے لیکن بزرگی سے کوئی علاقہ نہیں۔ بہر حال عوام الناس اپنے اعمال میں بھی غلط معیار پر چلتے ہیں اور انتخاب بھی غلط معیار سے کرتے ہیں کہ ان کی بدولت اکثر حقوق واجبہ بھی تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں۔

تلف حقوق

ایک سرحدی عابد کی نسبت سنا ہے کہ اکثر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے۔ اتفاق سے اس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سو رہا تھا۔ آپ نے نماز شروع کی لیکن مسافر کے خراٹوں کے سبب نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماع خیالات نہ ہو سکا۔ آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب سے جگا دیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے اس کے بعد پھر اگر نیت باندھ لی مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں پھر سو گیا اور خراٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی آپ نے پھر نماز توڑ کر اس کو بیدار کیا اور اس کے بعد نماز شروع کی۔ تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور چھری لے کر اس غریب مسافر کو شہید کر دیا اور پھر بغراغت نماز پڑھی۔ صبح کو نماز کے لئے لوگ جمع ہوئے تو مسجد میں لاش کو دیکھا تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اس لئے ہم نے قتل کر ڈالا یہ تو بالکل کھلی حماقت تھی اس لئے سب نے اس پر نفرس کی ہوگی۔ لیکن آج کل اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں

۱۔ فراغت کے ساتھ

اور ان کی طرف ذرا التفات نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے غامض ہوتی ہے۔
 افسوس ہے کہ آج دین کی سمجھ بالکل مفقود ہے ناواقفی سے ہم لوگوں کی بعض
 اوقات وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک سرحدی کی نسبت سنا ہے کہ وہ ہندوستان
 میں آیا ہوا تھا اتفاقاً چوروں نے کسی موقع پر اس کو زخمی کر دیا ایک شخص نے اس پر رحم
 کیا کہ اس کا علاج کرایا۔ چند روز میں اس کو آرام ہو گیا جب اپنے وطن جانے لگا تو اس
 شخص سے کہا کہ اگر تم کبھی ہمارے دیس میں آؤ گے تو ہم تمہارے احسان کی مکافات
 کریں گے چنانچہ ایک مرتبہ کسی ذریعہ سے وہ شخص اس کے وطن گیا اور یاد آیا کہ اپنے
 دوست سے ملے دریافت کرتا ہوا اس کے گھر پہنچا ملاقات ہوئی نہایت عزت سے
 پیش آیا اور اپنے گھر پر لے گیا اور اس سے کہا کہ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں اس کے جانے
 کے بعد گھر والوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اس نے سارا
 قصہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لئے تم فوراً یہاں سے بھاگو ورنہ وہ تم کو
 ہلاک کر دے گا، کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کبھی ہمارا دوست ہمارے وطن آئے تو ہم
 اس کے احسان کی مکافات کریں گے اس طرح کہ اول اس کو اسی قدر زخم کریں گے کہ
 جتنے ہم ہوئے تھے اور پھر اس کا علاج کر کے اس کو تندرست کریں گے۔ چنانچہ وہ
 ابھی چھرا لے کر آئے گا اور تم کو زخمی کرے گا۔ یہ غریب وہاں سے بھاگا اور اس
 طرح اس کی جان بچی۔

تو بہت لوگوں کی عادت ایسی ہوتی ہے جیسی اس کی مکافات تھی لیکن
 لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً بعض لوگوں کو مراقبہ کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ اگر حالت

مراقبہ میں کوئی شخص ان کے پاس آکر نماز کے متعلق مسئلہ دریافت کرے اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہو اور کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بتلانے والا بھی نہ ہو تو یہ ہرگز مراقبہ سے سر نہ اٹھائیں گے حالانکہ ایسے وقت میں فرض ہے کہ مراقبہ چھوڑ کر مسئلہ بتلادیں۔ میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ہر وقت تسبیح پاتھ میں ہے لیکن نہ بیوی کی خبر ہے نہ بچے کی گویا ماسوی اللہ کو چھوڑ دیا۔

نسبت کی گری

اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے تو ہم پر یہ کیفیات کیونکر طاری ہوتیں۔ حالانکہ یہ کفار پر بھی ہوتی ہیں اس کی حقیقت ایک واقعہ سے سمجھ میں آئے گی۔ ایک سجادہ نشین نے مجلس عرس میں کلکٹر اور صاحب جج کو مدعو کیا وہ چونکہ خلیق تھے شریک ہو گئے آخر تن شروع ہوئی اور قوالوں نے گانا شروع کیا کچھ ایسا سہل بندھا کہ صاحب جج پر فریاد کے آثار طاری ہونے لگے اور وہ بے اختیار ہو کر گرنے لگے تھوڑی دیر تو تحمل کیا جب نہ سنبھل سکے تو صاحب کلکٹر سے کہا کہ مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں گرا جاتا ہوں۔ صاحب کلکٹر نے کہا کہ میری بھی یہی حالت ہے آخر دونوں وہاں سے اٹھ گئے اور چل دیئے۔ تو صاحب کو کیا یہ صاحب کلکٹر اور صاحب جج بھی بزرگ تھے معلوم ہوا کہ کیفیات کا مدار قبول اور نبرگی نہیں وہ ایک الفعال ہے جو اکثر ذکر و شغل سے اور دوسرے اسباب سے بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض اشغال سے ذکر میں یکسوئی بھی زیادہ ہوتی ہے اور خطرات کم ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے

رطوبات کم ہو جاتی ہیں تو یہ سب اسباب طبعیہ کے دخل سے ہوتی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کیفیات محض بیکار ہیں ہرگز نہیں کیفیات نافع بھی ہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ ان میں زیادہ دخل اسباب طبعیہ کو ہے۔

ایک بزرگ کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے بڑھاپے میں روتے تھے سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ جوانی میں نماز میں لذت زیادہ ہوتی تھی میں سمجھتا تھا کہ یہ نسبت کا اثر ہے لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ معلوم ہوا کہ وہ سب جوانی کا نشاط تھا اب چونکہ وہ نہیں رہی اس لئے وہ کیفیت بھی نہیں رہی اور نسبت کی گرمی بڑھاپے میں جا کر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

خود قوی تر میشود و خسر کن خاصہ آن خمرے کہ باشد من گدن
(پرانی شراب خود بخود زیادہ تر قوی ہو جاتی ہے خاص کردہ شراب جو میرے
ساتی کے ہاتھ سے آئے)

دوسرے بزرگ کہتے ہیں۔

بر چند پیر و خستہ دہس ناتواں شدم ہرگز نظر بردی تو کریم جوان شدم
(اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور ناتواں ہو گیا ہوں مگر پھر بھی جب تیرے (پر
کیف) چہرہ پر نگاہ ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں)
غرض یہ نفسانی کیفیات نہ محمود نہ مذموم تھے ہیں البتہ اگر یہ آلہ مقصود
کا بن جائیں تو پھر محمود ہو جاتی ہیں ورنہ ہیچ مثلاً بعض کیفیات کہ بیوی بچوں کو چھوڑ
کر بھی باقی رہتی ہیں اور اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مقبول اور خاصانِ خدا ہیں۔
لیکن یاد رکھو کہ وہ مذموم ہیں اور یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا کہ مخالفتِ احکام پر بھی دعوے

مقبولیت کا کرتے تھے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے نَحْنُ أَنْبَاءُ اللَّهِ وَاجْتَبَاؤُنَا ۱۷
 (ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی ہم مثل بیٹے کے ہیں کہ جس طرح باپ
 اپنے بیٹے کو ہر حال میں چاہتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ ہم کو ہر حال میں چاہتے ہیں
 خدا تعالیٰ ان کے اس خیال کا رد فرماتے ہیں کہ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۱۸
 (آپ فرمادیں گے کہ پھر وہ کیوں تم کو تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیتا ہے)
 تو اس امت میں بھی بعض لوگ اس خیال کے موجود ہیں مگر سمجھ لینا چاہیے کہ قیامت
 میں ایسے لوگوں کی گردن ناپی جائے گی ان اعمال کی وہاں کچھ بھی قدر نہ ہوگی کیونکہ
 مقصود عبادات ہیں مجاہدات و ریاضت مقصود نہیں لیکن چونکہ ہم لوگوں کی عبادات
 میں وہ خلوص مطلوب پیدا نہیں ہوتا اس لئے یہ مجاہدات کئے جاتے ہیں کہ ہماری
 نمازوں اور نیردوسری عبادات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان پیدا ہو جائے پس یہ
 ریاضت مقصود بالغیر ہوئی۔ لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب
 میں دیکھا پوچھا کہ حضرت وہ تصوف کے نکات جو زندگی میں بیان ہوتے تھے یہاں
 بھی کچھ کام آئے فرمایا کہ سب فنا ہو گئے ہاں کچھ نماز اخیر شب میں پڑھ لینا تھا وہ
 البتہ کام آئی مَا تَقْعُظْنَا لَا زَكِيَّاتٍ فِي جُودِ الْبَيْتِ نہیں نفع دیا ہم کو لیکن نیم شبی
 کی چند رکعتوں نے، لوگ خدا جانے ان کیفیات کو کیا کچھ سمجھے ہوئے ہیں ۱۹
 خواجہ پنڈار دے دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پنڈار نیست
 (سردار گمان کرتا ہے کہ وہ مقصود حاصل کر چکا ہے حالانکہ خواجہ کا حاصل سولے
 گمان کے اور کچھ نہیں)
 لیکن اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اور مجاہدات کی

مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ظاہری اعمال میں خلوص شرط ہے اور آج وہ مفقود ہے اور یہ مجاہدات اس خلوص کا مقدمہ ہیں اور مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے جیسے وضو مقدمہ ہے صلوٰۃ کا خود مطلوب بالذات نہیں لہذا بدون ان مجاہدات کے نرے اعمال اکثر کافی نہیں یہاں تک کہ عوام الناس کے مقرر کردہ معیاروں اور ان کے آثار کا بیان تھا۔

افضلیت عمل کا صحیح معیار

اب مناسب ہے کہ اصلی اور صحیح معیار بیان کر دیا جائے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَجْعَلْنٰكُمْ سِقَیْنِیْۤنِ الْحَآجَّۃِ عِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طَلَبُ الشَّہَادَةِ (کیا تم حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں)

اس کی شان نزول میں مختلف قصے آئے ہیں جن کی تفصیل اس وقت مستحضر نہیں اتنی قدرے مشترک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعض لوگوں میں گفتگو ہو گئی تھی کہ ایک جماعت اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو افضل سمجھتی تھی۔ دوسری جماعت اپنے تائیں۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں افضلیت اعمال کا فیصلہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ کونسی جماعت افضل ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے۔ کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے اعمال کے برابر کرتے ہو جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے دین کو نفع پہنچایا

ہو یہ دونوں جماعتیں ہرگز برابر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمارت مسجد اور سقایۃ حجاج
ایمان باللہ و اعلائے کلمۃ اللہ کی برابر نہیں ہے کیونکہ جَعَلْتُمْ کا مفعول سقایۃ کو
قرار دیا ہے جو کہ عمل ہے تو مقصود اعمال کا تفاضل بیان کرنا ہے۔ یہی بات کہ ایک
جانب میں تو جَعَلْتُمْ کا مفعول اعمال کو بنایا اور دوسری جانب میں کاف کا مدخول
مومنین کی ذات کو قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ذہن میں آئی کہ جو لوگ معمرین
مسجد تھے وہ اس وقت تک کافر تھے اور عمل ان کا نیک تھا اگرچہ خصوصیت محل
کی وجہ سے اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں کیا تھا تو اس جانب میں اعمال کو ذکر کر کے یہ
بتلا دیا کہ اب بوجہ عامل کے مومن نہ ہونے کے یہ اعمال مقبول ہی نہیں لیکن اگر اس
سے قطع نظر بھی کی جائے اور نفس اعمال کو دیکھا جائے تب بھی اپنے مقابل اعمال
سے کم ہیں اور دوسری جانب میں ذات کو کاف کا مدخول بنا کر یہ بتلا دیا کہ ان اعمال
کی یہ حالت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے خود عمل کرنے والا بھی مقبول ہو جاتا ہے
الغرض اس آیت میں افضلیت سقایۃ و عمارت کے دعوے کی تغلیط ہے اور
مبنیٰ اس دعویٰ کا وہی تھا جو آج کل غلام الناس میں ہے یعنی عمل کا نفع عاجل ہو اور
عام ہو اور عمل کی صورت عبادت کی سی ہو۔ سقایۃ الحجاج میں تو نفع عام اور نفع عاجل
تھا اور تعمیر مسجد کی صورت عبادت کی تھی۔ اس لئے ظاہراً معنی فضیلت کے اس میں
زیادہ تھے اور اس کی تغلیط کر کے خدا تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ فضیلت فلاں فلاں عمل
میں ہے لیکن اس میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن اعمال کو اللہ تعالیٰ
نے افضل بتایا ہے ان میں وجہ ان کی افضلیت کی کیا ہے اور اس میں غور کرنے
سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے یا نہیں

اور تقدیر یا لزوم پر افضلیت کی بناء ہو سکتی ہے یا نہیں۔
 تو آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ افضلیت کی اور اس کا معیار
 ایمان ہے یعنی جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلبس ہو گا وہ زیادہ افضل ہوگی اور اسی
 وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جَاهِدٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
 (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ کا
 باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل الیا
 نہیں کہ بدون اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں۔ مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدون زکوٰۃ
 کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدون حج کے بحر ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں۔ پس
 اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ متعدی کو من الوجود افضل کہنا غلطی ہے۔ چنانچہ ایمان عمل
 متعدی نہیں اور پھر سب سے افضل ہے اور ہمیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے
 سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو کہ غیر اہل ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں
 اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے۔ البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو
 غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص
 مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت
 غلطی اور جہل ہے۔

مؤمن غیب دار

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ مذہبیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے
 عیب لگتا ہے میں نے کہا اگر اسلام ایسے مسلمانوں کو نکالے تو تم کو ان سے پیشتر نکال دے گا۔
 تمہارے اعمال کہاں کے اچھے ہیں۔ بعض لوگ جہاد بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند
 نہیں کرتے۔ مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذیل
 سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور بیماری کیا گت رہے

فَسَوْفَ تَرَىٰ اِذَا انْكَشَفَ السَّيْمُ اَقْرَسَ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ
 (پس غنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے گا
 کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے گھوڑا ہے۔ یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے

سوار پر فتح پائی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہو گی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی (اسی طرح مومن عیب دار کو کافر یا کمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا۔ اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَكُمْ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ذُكِّرُوا بِمَا كَانُوا يُحَذِّرُونَ ۝ (جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان یا کمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابدالاً باؤ جہنم میں رہے گا۔ اور کبھی اس کو نکلتا نصیب نہ ہوگا۔

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگرچہ سزا دونوں کو دی جائے گی۔ لیکن چوری کی سزا محدود اور کم ہوگی۔ ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر لے آئے اور چین سے بسر کرے پھر وہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہ پائے گا اور زندگی پھر سزا کی تکالیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گا وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور یا بکل جاہل کندہ نا تراش ہو۔

کافر خوش اخلاق

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے۔ اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حاصل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی خوش اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گلدے میں لگا دی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اگرچہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بادشہ ہو جائے پھر دیکھے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوتے ہیں پس مسلمان اگرچہ دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے صاحبو! عزت آئی چاہیے کہ مسلمان ہو کہ اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو

اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔

اشتباہِ فضیلت

جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس ہو گا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بالایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا مبنی ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔

تو معیار وہ اعمال ہیں جو کہ مبنی ہوں اسلام کا چنانچہ آیت میں ایمان کے ساتھ اسی عمل کو ذکر کیا گیا ہے جس سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے اور مسجد حرام کی تعمیر خود اسلام پر مبنی ہے پس یہاں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اس کو قوی بنانا زیادہ افضل ہے اسی طرح اور جس قدر اعمال ہیں سب میں یہی دیکھنا چاہیے جیسے تعلیم و علم و عطا ارشاد یعنی اصلاح خلق۔

پس وظیفہ و وظائف سے اصلاح خلق میں زیادہ فضیلت ہوگی کیونکہ یہ مبنی ہے ایمان کی تکمیل کا مگر یہ فضیلت باعتبار معیار مذکور کے فی نفسہ ہے درجہ بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو عمل فی نفسہ افضل نہیں وہ کسی عارض کی وجہ سے زیادہ قابلِ توجہ ہو جائے اور کسی خاص وقت میں اس کی طرف توجہ کرنا زیادہ افضل ہو جیسے وضو نماز سے افضل نہیں لیکن بعض اوقات بوجہ شرطیت نماز کے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے یا مثلاً وعظ کہنا کہ فی نفسہ تخلیہ للعبادۃ سے افضل ہے۔

لے ملی ہوئی

لے عبادت کے لئے تنہائی میں بیٹھنے سے ۲ سورہ انشراح آیت ۸۱۷

بقا لر نسبت

لیکن جبکہ وعظ پر مقصود بقدر ضرورت مرتب ہو چکے تو بلا ضرورت ہر وقت اس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت عبادت کے لئے تخلیہ بھی اختیار کرے اور کسی وقت اپنی بھی فکر کرے۔ اور خدا کی یاد میں لگے اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے فَإِذَا أَقْرَعْتَ فَأَنْصِتْ لِلَّهِ فَإِذَا قَازَعْتَ ۝۱۷ کہ ایک وقت ایسا بھی نکالے کہ صرف خدا ہی کی یاد میں اس وقت مشغول ہوں کہ کوئی دوسرا کام نہ ہو۔

بفراغ دل زمانے نظر سے بہا روے یہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے
(ایک زمانہ فراغ ولی کے ساتھ نظر کرنا اس خوبصورت کی طرف بہتر ہے چتر شاہی سے اور تمام دن کی ہاؤ ہو سے)

اور

خوشا وقتے و خرم روزگارے کہ یارے بر خورد از وصل یارے
(مبارک ہے وہ وقت اور وہ گھڑیاں جب ایک محب اپنے محبوب کے وصل سے سرفراز ہو)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے کے بقاء کے لئے ایک سبب ہوتا ہے اور نسبت جس کی بدولت وعظ بھی موثر ہو گیا ہے اس کی بقا کا سبب یہ ہے کہ کسی وقت صرف شغل مع الشر ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی ہو گئی جو کہ مشغلت تک پہنچ کر اپنا کام بالکل چھوڑ دیتے ہیں اس سے انکی نسبت ضعیف ہو جاتی ہے اور فیض بند ہو جاتا ہے۔

۱۷ کم فضیلت والا

خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال اسلام کا مبنی ہوں وہ افضل ہوں گے اس قاعدے کو محفوظ کر کے اعمال میں فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ اور جس کو اس قدر قوت نہ ہو کہ خود فیصلہ کر سکے وہ کسی عالم سے پوچھ لے کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ غل کرتا تو ضرور ہے اور ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض اوقات اعمال غیر فاضلہ بھی کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر دریافت کر لینا چاہیئے البتہ اگر کوئی غل ایسا ہو کہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور کوئی دوسرا غل اس وقت اس کے مقابلے میں ایسا ضروری نہ ہو تو اگرچہ یہ مفصول ہی ہوا ہے کرنا چاہیئے۔ مثلاً ایک آباد مسجد گر گئی اور نمازی پریشان ہیں یا عید گاہ گر گئی تو ایسے موقع پر اس کا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اعمال کی ضرورت متعین ہو اور وہ معلوم بھی ہو جائے وہاں تو اس کو کر لینا چاہیئے اگرچہ مفصول ہو اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی رائے سے ایک عمل کو دوسرے عمل پر ترجیح نہ دینا چاہیئے بلکہ کسی عالم سے استفتا کرنا چاہیئے جیسے مثلاً بخاری شریف کا وقف کرنا یا کسی غریب کو کھانا کھلا دینا۔

تفاوت سیئات

اب اس کے مقابلے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح حسنات میں تفاضل ہے اسی طرح گناہوں میں بھی تفاوت ہے۔ لیکن جس طرح حسنات میں استفتا کرنے کی ضرورت ہے کہ کس عمل کو کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ اسی طرح سیئات میں استفتا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کو چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ چھوٹے بڑے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کیا فلاں کام بہت ہی گناہ ہے مطلب یہ ہوا کہ

اگر چھوٹا ہو تو ہم کر لیں۔ یاد رکھو اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت پوچھے کہ کیا یہ چنگاری بہت بڑی ہے یا انگارہ۔ تو صاحبو جس طرح ایک بڑا انگارہ مکان بھر کو بھونک دے گا اسی طرح ایک چنگاری بھی گھر بھر کو بھونک دے گی۔ تو ایمان کے قہر کو ایک چھوٹا انگارہ بھی ویسا ہی برباد کر دے گا جس طرح بہت بڑا انگارہ تو سب سے بچنا چاہیئے۔ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ ثروت لینا زیادہ گناہ ہے یا سود کھانا میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ پیشاب زیادہ گندہ ہوتا ہے یا پاخانہ تاکہ جو کم گندہ ہو اس کو تناول فرمائیں۔ غرض یہ ہے کہ حسنت میں تو تفاضل کو دریافت کرو اور گناہ سب چھوڑ دو۔

اب میں اس وعظ کا ربط سابق وعظ سے بیان کرتا ہوں کہ عَلَیْکُمْ أَنْفُسُکُمْ سے شہرہ ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کو نفع پہنچانے کی اجازت نہیں تو آج کے بیان سے یہ شہرہ جاتا رہا کیونکہ اس بیان سے اسکی فضیلت بھی ثابت ہوئی پس وہ آیت نفع پہنچانے کے معارض نہیں ہے البتہ کسی کے پیچھے نہ پرو کہہ کر ختم کر دو۔

مثلاً اس وقت میں نے وعظ کہا ہے یہاں تک تو مناسب ہے اب اگر میں ایک ایک کے درپے ہوں اور تحقیق کرتا پھر دوں کہ کس نے عمل کیا اور کس نے نہیں کیا اور پھر اس کی فکر و تدبیر میں لوگوں یہ اکثر اوقات مضرب ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے خُذْ بِرَأْسِ الْقَائِمِ أَنْتَ مُذَبِّبٌ ۖ (اور آپ نصیحت فرمائیے اس لئے آپ نصیحت کر نیوالے ہیں) اور دوسرے موقع پر یہ بھی ارشاد ہے کہ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأِنَّتَ لَکَ ۖ فَعَصَىٰ ۖ (اور جو شخص آپ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو آپ اس کے درپے ہو جاتے ہیں) تو تذکرہ تو مطلوب ہے مگر پیچھے پڑنا بیکار ہے۔ ہاں جہاں اپنی پوری قدرت ہو وہاں ضروری ہے جیسے اپنی اولاد یا شاگرد اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اسی موقع پر یہ آیت بھی ذکر کرنی چاہیئے تھی کیونکہ اصل مضمون تو معلوم ہو گیا تو آج معلوم ہوا۔ یہ مضمون دس بارہ دن سے میرے ذہن میں تھا درمیان میں ذہول بھی ہو گیا تھا اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ

بیان ہو گیا یہ بالکل نیا مضمون ہے اس سے اپنے اعمال میں بھی تفاضل سمجھنے کا طریقہ
 آسانی معلوم ہو سکتا ہے اور انتخاب بھی اس معیار سے آسانی ممکن ہے۔ اب
 خدا سے دعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دے۔

اٰمِیْن یَا اَرَادَتِ الْعَالَمِیْنَ ط

تمام شد